ڈاکٹر محمد شفیق آصف

صدر شعبہ اردو، سرگودھا یونیورسٹی، میانوالی کیمپس

جدید نظم اور اردو غزل کے اسلوبیاتی ارتباط میں زبان و بیان اور علامت نگاری کا کردار

Dr. Muhammad Shafiq Asif

Head of Urdu Department, University of Sargodha, Mianwali Campus

A Study of Stylistic Relationship about the Role of Expressionism and Symbolism in Modern Poem and Urdu Ghazal

The process of expressionism and symbolism is completed by joining words and thoughts. The series of expressionism is very old. The balance between word and thought is very important. There is also substantial importance of symbolism in the literature. Symbolism brigs beauty in literature. Expressionism and Symbolism has been reflected in modern poem and Urdu Ghazal and mutual relationship is found between expressionism and symbolism.

شعر و ادب میں لفظوں اور خیالات کے ارتباط سے زبان و بیان کا عمل مکمل ہوتا ہے۔ حرف و صورت کی معنویت فکر و خیال اور لفظوں کی آمیزش اور ہم آہنگی سے کھلتی ہے۔ زبان و بیان کا یہ سلسلہ نسلِ انسانی کے آغاز سے ہی جاری ہے۔ ہر چند کہ وقت کے ساتھ ساتھ تو اس میں ارتقائی عمل جاری رہا جس کی بدولت زبان و بیان میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئیں اور فکری و ابلاغی نظام اور زیادہ مستحکم ہوا۔ مولانا شبلی نعمانی رقم طراز ہیں:

> لفظ جسم ہے اور مضمون روح ہے، دونوں کا ارتباط باہم ایسا ہے جیسا روح اور جسم کا ارتباط کہ وہ کمزور ہوگا تو یہ بھی کمزور ہوگی پس اگر معنی میں نقص نہ ہو اور لفظ میں ہو تو شعر میں عیب سمجھا جائے گا۔(۱)

اور یوں یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ لفظ اور مضمون دونوں لازم وملزوم ہیں اور اِن دونوں کے لیے توازن ضروری ہے ہر صنفِ سخن کا شاعر اپنا شعری مزاج اور زبان و بیان اپنے ساتھ طے کر آتا ہے جو اُس کے تخلیقی عمل کے ساتھ اُس کے اُسلوب کو بھی دوسروں سے الگ کرتا ہے اِس حوالے سے ن۔م راشد لکھتے ہیں:

> کسی فن کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی اُس کی زبان سمجھتا ہو اور فن کی زبا نحض اُس کی ہیئت نہیں، وہ زبان وہ تجربات اور مشاہدات بھی ہیں جو مختلف تصورات کے سانچے میں ڈھل کر قاری تک پہنچنا اور اُس کے ادراک کو روشن کرنا چاہتے ہیں۔(۲)

زبان و بیان کی یہ تبدیلیاں دراصل نئے زمانے کے تغیر کو ظاہر کرتی ہیں۔اُردو غزل اور نظم کے ارتباط کے حوالے سے یہ بات خاص طور پر عیاں ہوتی ہے کہ جدید نظم کے اثرات کی بدولت اُردو غزل میں بھی زبان و بیان کی خاص تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ اِس ضمن میں ایک نظم اور چند غزلیہ اشعار ملاحظہ کیجئے:

ایلوسورج، چاند ستارے دھرتی کے سینے پر اُترے
میری راہ گزر پر اُترے
ہلکی مدھم اور مسلسل حرکت
منزل، پھول، کنول کا پھول عدم کے بحرِ بے پایاں میں
تنہا جھولے
باہر، پُرمرکوز نگاہوں سے مخفی لفظِ مطلق
تنہا اور اُداس کنول پر جھل مَل جھل مَل پھوٹ بہا
جوں ہی ردائے کوہ و دشت و دمن
دنیائے من وتُو پر چھائی
پھیکی پھیکی ہو کر پھیل گئی، دھول بنی
اپنا گاؤں گوری کے پاؤں تک دُھندلائے
پھیلی روشن اور نرالی دُھند اور دُھند اور دُھند اور دُھند

(''دُھند''، افتخار جالبؔ)

ڈھل چکی رات سو گئے سب لوگ
ایک کھڑکی مگر کھلی ہے ابھی

(ناصرؔ کاظمی)

جابر علی سیّد کے بقول:

فراقؔ اور یگانہ کے زیرِ اثر ناصرؔ کاظمی اور ظفر اقبال نے جدیدیت کی روح کو آشکار کرنے میں بڑا کام کیا ہے۔(۳)

جدید اُردو نظم کے زیرِ اثر اسلم انصاری کی اُردو غزل میں زبان و بیان کا یہ رنگ دیکھئے:

اب سے پہلے تک تو وہ چہرہ ہمارے ساتھ تھا
یا نہ جانے صرف اِک سایہ ہمارے ساتھ تھا
دفعتاً ہم جھیل کی جانب نہ مُڑ جاتے اگر
مقبروں تک تو وہی رستہ ہمارے ساتھ تھا
(اسلم انصاریؔ)

اُردو غزل میں اس طرح کی علامتی فضا دراصل جدید نظم کی بدولت پیدا ہوئی ہے یہی وجہ ہے کہ جدید عہد کے بیشتر شعراء لفظ و خیال کی آمیزش سے تاثر اور بھرپور غزلیں تخلیق کر رہے ہیں اُن کے اِس تخلیقی عمل میں لفظ اور معنی کا نیا انداز زبان و بیان کو اور زیادہ وسیع کرتا ہے۔

وہی میں دائرہ در دائرہ ہر سمت پھیلا ہوں
طلسمِ ذات بھی اِک نقش ہے آئینہ بندی کا
(مظفرؔ حنفی)

قدم جو آگے بڑھیں راہ پھیلتی جائے
کنارِ دشت ہے کوئی نہ حد سفر کی ہے
(عرش صدیقیؔ)

لگائے خیمہ کہاں، بے طناب ہے ہر شخص
اب اِس پڑاؤ کو، اگلے سفر کے نام لکھوں
(فضا ابنِ فیضی)

اُردو غزل اور نظم میں اظہار و بیان کی یہ سطحیں زبان و بیان کے شعری تجربات و مشاہدات کو ظاہر کرتی ہیں۔نظم و غزل کے اُسلوب اور بیان کی ایمائیت اِن میں پیدا ہونے والی وسعت کا پتہ دیتی ہے۔لہٰذا نئے غزل گو جدید نظم کے زیرِ اثر اپنے منفرد اور الگ شعری اُسلوب کے لیے شعوری سطح پر یہ انداز اختیار کرتے ہیں جو اُنھیں ایک الگ اور منفرد شناخت عطا کرتا ہے۔غلام حسین ساجد لکھتے ہیں:

تجسیم، تجرید، ابہام اور علامتی اظہار کی نفیس تر سطحیں آپس میں گندھ کر ایک نیا
ہی ذائقہ اور جذبی ترفع پیدا کرتی ہیں۔(۴)

اظہار و بیان کے ضمن میں کروچے کا نقطہ نظر بہت اہم ہے وہ حسن کو حقیقتِ اظہار کا نام دیتا ہے اور حسن بہت سی معروضی اشیاء میں بدرجہ اُتم پایا جاتا ہے ''حسن، لفظ اور معنی کے ارتباط اور مطابقت تام کے ذریعے وجود میں آتا ہے اور اِسی مطابقت کو جو آرٹ کے سلسلے میں ابلاغ کہلاتی ہے۔''(۵) جدید نظم اور اُردو غزل کے اُسلوبیاتی ارتباط کے ضمن میں جو اہم اجزاء سامنے آتے ہیں اُن میں زبان و بیان، نئی علامت نگاری، نظم و غزل کا لب و لہجہ اور رموزِ اوقاف بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں اِن تمام نکات کے اشتراک سے اُردو غزل نہ صرف جدید نظم کے اثرات قبول کرتی ہے بلکہ اُس کے فکری و اُسلوبیاتی پس منظر کو بھی اُجاگر کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے غزل اور نظم کے جدید شاعروں نے نئے شعری نظام کے ساتھ رشتہ اُستوار کیا اور اپنی غزل میں ایسی فضا پیدا کی جو غزل کی کلاسیکی روایت سے کافی مختلف ہے۔

علم زبان میں علامت بہت اہمیت رکھتی ہے اس کے لغوی معنی نشان، پتہ، سراغ، اشارہ، چھاپ، مُہر یا آثار کے ہیں۔ اِس حوالے سے دیکھا جائے تو علامت اُردو شاعری میں بہت اہم کردار ادا کرتی ہے، علامتوں کا استعمال اُردو نظم و غزل میں ایک خاص طرح کا حسن اور ابلاغ پیدا کرتا ہے۔ علامت کی بدولت شاعری سپاٹ ہونے سے محفوظ رہتی ہے اِس لیے جدید شاعروں نے علامت نگاری کے ذریعے اپنی تخلیقات میں جو انفرادیت اور تنوع پیدا کیا ہے وہ کلاسیکی دَور کے شاعروں کے ہاں بہت کم ہے لہٰذا جابر علی سیّد لکھتے ہیں:

استعارے کی وسیع ترین صورت علامت ہے جو مستقل ایک فلسفہ ہی نہیں
شاعری کی مساوات بھی بن چکی ہے۔(۶)

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ علامت استعارے کی ایک عمدہ شکل ہے جو اپنے اندر بے پناہ وسعت رکھتی ہے۔ نئی علامتوں کے ذریعے ہم زندگی کی نئی حقیقتوں سے آشنا ہوتے ہیں۔ علامت پسندی کی تحریک نے علامت نگاری کو نمایاں کیا لہٰذا جابر علی سیّد کا یہ کہنا بہت معنی خیز ہے۔ علامت پسندوں نے استعارے ہی کو علامت قرار نہیں دیا۔ ہر لفظ کو Sign کی بجائے علامت کہہ کر اپنی پسندیدہ تحریک کو ترقی دی۔(۷)

علامتوں کے استعمال کا آغاز اُردو نظموں میں سب سے پہلے ہوا اور اُردو میں میرا جیؔ کو اس حوالے سے اولیت حاصل ہے اُنھوں نے مغربی ادبی تحریکوں سرئیلزم، تاثریت اور علامت نگاری سے نہ صرف استفادہ کیا بلکہ نئے شعراء کو بھی اِن تحریکوں سے متعارف کرانے میں اہم کردار ادا کیا ہے اور اس حوالے سے میرا جیؔ نے روایتی علامتوں اور اسالیب کی بجائے علامت اور استعارے کے ذریعے اُردو نظم میں وسعت اور توانائی پیدا کی اور اس طرح ن۔م راشدؔ، فیض احمد فیضؔ اور تصدّق حسین خالد کی نظمیہ شاعری میں بھی علامات کا استعمال کثرت سے ہوا ہے۔ اِس سے قبل علامت اور استعارے میں کوئی خاص تمیز روا نہیں رکھی جاتی تھی اور اکثر ناقدین استعاروں کو علامت کے طور پر پیش کرتے تھے اس ضمن میں جابر علی سیّد رقم طراز ہیں:

اُردو کے نقادوں نے سب سے پہلے صوفیانہ اور سیاسی استعاروں کو علامت قرار
دیا اور شاعری میں بادہ و ساغر، جام، مینا، لب و رخسار، لالہ و گل، صید و صیاد،
ساقی و پیرِ مغاں، سبزہ و گلشن، دانہ و دام، فاختہ و بلبل، قفس و آشیانہ، غنچہ و گل،
اقبال کے زمانے تک تشبیہوں پر مبنی استعارے تھے اقبال نے نئے استعارے
تخلیق کیے اور اُن سے اپنے دل کا مطلب چھپانے کا کام لیا۔(۸)

تشبیہ، استعارہ اور علامت کی روشنی میں اگر ہم جدید اُردو نظم اور غزل کو دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ علامت نگاری اِن دونوں اصنافِ سخن کے تخلیقی عمل کا حصہ بن چکی ہے۔

آج کی اُردو شاعری میں علامتوں کا استعمال جدید دنیا اور عالمی صورتِ حال سے مکمل طور پر مربوط ہے۔عصر حاضر کی نظم وغزل میں جدید علامتوں کا جال بچھا ہوا ہے جن میں بارش، خزاں، رات، تنہائی، بھیڑ، بادل، دھوپ، دوپہر، شام، نیند، خواب، موسم، شہر وغیرہ نمایاں ہیں۔تبسم کاشمیری کی اِس نظم میں موجود علامتی نظام کو ملاحظہ کیجیے:

بارشیں اُس کے بدن پر
زور سے گرتی رہیں
اور وہ بھیگی قبا میں
دیر تک چلتی رہی
سرخ تھا اُس کا بدن
اور سرخ تھی اُس کی قبا
سرخ تھا بارش کا منظر
سرخ تھی اُس دم ہَوا
بارشوں میں جنگلوں کے درمیاں چلتے ہوئے
بھیگے چہرے کو یا اُس کی قبا کو دیکھتے
بانس کے گنجان رستوں پر کبھی بڑھتے ہوئے
اُس کی بھیگی آنکھ میں کھلتی دھنک تکتے ہوئے
اور کبھی پیپل کے گہرے سرخ سایوں کے تلے
اُس کے بھیگے ہونٹ پر کچھ تتلیاں رکھتے ہوئے
بارشوں میں بھیگتے لمحے اسے بھی یاد ہیں
یاد ہیں اُس کو بھی ہونٹوں پر سجی کچھ تتلیاں
یاد ہے مجھ کو بھی اُس کی آنکھ میں کھلتی دھنک

(''ایک دُھندلی یاد''، تبسم کاشمیری)

بارش کی علامت کو اُردو شاعروں نے تمثیلی علامت کے طور پر پیش کیا ہے مگر تبسم کاشمیری نے اپنی نظم میں اس علامت کو بیتے دنوں کی بھولی بسری یاد اور اپنے محبوب کی قربت سے ہم آمیز کیا ہے۔نظم کی طرح غزل میں بھی اس طرح کی علامتیں تخلیقی عمل کا حصہ بن رہی ہیں جو دراصل اُردو غزل پر جدید نظم کے اثرات کا اشاریہ ہیں۔

خواب میں گم ہوں کہ باہر کی فضا اچھی نہیں
آنکھ کھلتے ہی کہیں زنجیر ہو جاتا ہوں میں

(غلام حسین ساجدؔ)

زمیں ہم سے تری بے رونقی دیکھی ہیں جاتی
کہیں دریا بہائیں گے کہیں باغات رکھیں گے

(ثروت حسینؔ)

حیرتِ تعبیر سے باہر نکل اے سبز خوابوں کی زمیں
اپنے باطن میں بجھا خود کو کسی ہمراز خطے کی طرح

(اجمل نیازیؔ)

رنگ یاد ہے اُس کا شام کے دُھندلے میں
آنسوؤں میں تر چہرہ کس قدر سنہرا تھا

(مقبول عامرؔ)

سو ہم دونوں ہوئے ہیں ریزہ ریزہ
اسی خواہش میں پہلے ٹوٹتا کون

(جمال احسانیؔ)

سُلگ رہے ہیں مسلسل کہ آتے جاتے نہیں
ہم اُس کے سائے میں اور وہ ہمارے سائے میں

(صابر ظفرؔ)

سورج ہے روشنی کی کرن اُس جگہ ملال
وسعت میں کائنات اندھیرے کا جال ہے

(صغیر ملال)

جدید اُردو نظم کے جس علامتی نظام کے اثرات اُردو غزل نے قبول کیے ہیں اُس نظام کو مستحکم کرنے میں ن۔م راشدؔ، میراجیؔ، فیض احمد فیضؔ اور مجید امجدؔ جیسے نظم نگاروں نے اہم کردار ادا کیا، مجید امجدؔ کی نظمیہ شاعری میں شجر کی علامت بہت مضبوط اور

نمایاں علامت ہے وہ شجر کی علامت کو فطرت اور اِنسان کی معروضی زندگی سے ہم آمیز کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

درختوں کے اس جھنڈ سے جب گزرا
خشک چھاؤں کی ٹکڑیاں سی مرے جسم پر تھرتھرائیں
مرے جسم سے گر کے ٹوٹیں
(''یہ سرسبز پیڑوں کے سائے''، مجید امجد)

گھور گھٹاؤں کے نیچے
پیڑوں کی لچکیلی باہیں
کونپلوں کے کنگن
(''گھو گھٹاؤں سے''، مجید امجد)

نظم کی طرح غزل میں اِس طرح کے احساس کو احمد مشتاق نے یوں بیان کیا ہے:

میرے راستے اُگے ہوئے کسی اور راہ کے پیڑ ہیں
میرے شہر پہ ہے جھکا ہوا کسی اور شہر کا آسماں
(احمد مشتاق)

جانے کب اِس پہ برگ و بار آئے
جو شجر تیری رہگزار کے ہیں
(اکبر حمیدی)

اُردو نظم کے علامتی نظام میں میرا جی کا کام بنیادی اور رجحان ساز ہے۔ وہ جنگل اور شام کی علامت اُچھوتے انداز سے لاتے ہیں۔

میں تو اِک دھیان کی کروت لے کر
عشق کے طائرِ آوارہ کا بہروپ بھروں گا پل میں
اور چلا جاؤں گا جنگل میں
(''شام کو راستے پر''، میرا جی)

نظم کے جدید تر شاعروں میں سے عبدالرشید کی نظموں میں بھی علامت نگاری اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔

آنکھ جو بینائی کا جنگل بنا ہے

غم کے افسانے شبیہیں بن کر جس میں کھو گئے ہیں
ہاں اگر پل بھر کو سو لیتے
اگر دیوار کے سائے میں پلکوں میں پروئی تازہ کلیاں
نیند کی نس نس کو چھو لیتیں
اگر صدموں کی اِس یلغار میں دو بول
خوش خبری کے مل جاتے

(''نیند (۲)''، عبدالرشید)

میرا جی اور مجید امجد کے بعد اس قسم کی علامتی امیجری منیر نیازی کی بہت سی غزلوں اور نظموں میں ایک خاص تسلسل کے ساتھ موجود ہے۔ منیر نیازی کا ایک تخلیقی کمال یہ ہے اُن کے یہاں اِس علامتی نظام میں کسی قسم کا اُلجھاؤ نہیں ہے بلکہ اُن کی علامتیں ایک خاص پس منظر اور پیش منظر رکھتی ہیں۔ علامتوں کی تفہیم کا معاملہ بھی ایکؔ خاص اہمیت کا حامل ہے کیونکہ بعض ناقدین کا خیال ہے کہ علامتوں کے استعمال کے ضمن میں اِس بات کا ادراک ضروری ہے کہ جو علامت بھی استعمال کی جائے اُس کا قاری پر مکمل ابلاغ ہونا چاہیے۔ علامت کے استعمال کے حوالے سے رضا ہمدانی کا خیال ہے:

> علامتوں کا استعمال کوئی سکہ بند چیز نہیں نہ ہی کسی خاص علامت کو کسی خاص واقعہ کے ساتھ وابستہ کیا جا سکتا ہے۔(۹)

منیر نیازی کا علامتی نظام اس اعتبار سے قابلِ تحسین ہے کہ اُنھوں نے نظم اور غزل میں علامتی تحیر کو نہ صرف برقرار رکھا ہے بلکہ اُسے قاری کے فہم ادراک سے بھی ہم آمیز کہا ہے اور ایسا بہت کم شاعروں کے ہاں دیکھنے میں آیا ہے۔ محمد سلیم الرحمٰن رقم طراز ہیں:

> اس وقت منیر نیازی ہی اُردو کا واحد شاعر ہے جس کی نظمیں پڑھتے ہوئے یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ شخص شاعری کی دیوی سے مل چکا ہے یا مل سکتا ہے اس نے اُردو غزل اور نظم کے پاؤں اور ہاتھوں سے تقلید اور روایت کی بھاری بھاری بیڑیاں اور ہتھکڑیاں اُتار دی ہیں اور نتیجہ حیرت انگیز تازگی ہے جو اُس کے مصرعوں اور لفظوں سے جھانکتی نظر آتی ہے۔ یہ واقعی نئی شاعری ہے۔(۱۰)

منیر نیازی کے چند غزلیہ اشعار دیکھئے:

جب بھی گھر کی چھت پر جائیں ناز دکھانے آ جاتے ہیں
کیسے کیسے لوگ ہمارے جی کو جلانے آ جاتے ہیں

عجب رنگ رنگیں قباؤں میں تھے
دل و جان جیسے بلاؤں میں تھے

منیر نیازی کی شاعری کا علامتی نظام معروض اور اساطیر سے جڑا ہوا ہے یہی وجہ ہے اُن کے شعری تجربات ہر عہد کا احاطہ کرتے ہیں۔ڈاکٹر وزیرآغا لکھتے ہیں:

> ادب جدید تازہ اور پرانے انسانی تجربات سے ہم رشتہ ضرور ہے مگر اِن تجربات کو منتقل کرنے کی بجائے اُنھیں منقلب کرتا ہے اور ایسا کرتے ہوئے ایک بالکل نئی شے کو خلق کر دیتا ہے اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو پھر اِس کا تخلیقی عمل بے معنی ہے۔(۱۱)

نئی علامتوں کے ذریعے نظم وغزل کے تمام اہم شاعروں نے جدید دور کے اِنسان کے باطنی موسموں اور مسائل کو دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کی ہے۔وجودیت، انسان دوستی، اظہاریت، علامت نئی نظم اور غزل کے اہم حوالے ہیں اور نظم وغزل کے بہت سے شاعر اِن نئی تحریکوں کے زیرِ اثر دکھائی دیتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ مولانا شبلی نعمانی، ''شعرالعجم''، (حصہ چہارم)، الفیصل، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۵۶۔

۲۔ ن۔م راشد، ''مقالاتِ ن۔م راشد''، مرتبہ شیما مجید، الحمرا، اسلام آباد، ۲۰۰۲ء، ص ۱۸۳۔

۳۔ جابرعلی سیّد، ''استعارے کے چار شہر''، ص ۱۴۔

۴۔ غلام حسین ساجد، ''افتخار جالب کے نوحہ اور دوسری نظمیں''، (مضمون) مشمولہ ''ماہِ نو''، لاہور، جلد ۶۰، شمارہ جون/ جولائی، ۲۰۰۷ء، ص ۸۲۔

۵۔ عابدعلی عابد، سیّد، ''البدیع''، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۱۳۔

۶۔ جابرعلی سید، ''استعارے کے چار شہر''، ص ۱۷۔

۷۔ ایضاً

۸۔ ایضاً، ص ۱۸۔

۹۔ روزنامہ جنگ، راولپنڈی، ۱۸/اپریل، ۱۹۸۳ء۔

۱۰۔ محمد سلیم الرحمٰن، ''میزان: جنگل میں دھنک''، مشمولہ ہفت روزہ نصرت، لاہور، ۲۲ جنوری ۱۹۶۱ء، ص ۲۲۔

۱۱۔ وزیرآغا، ڈاکٹر، نئے تناظر، آئینہ ادب، لاہور، ص ۴۷۔